غزل

نغمۂ مضطرب بے اثر ہو گیا
ہو مبارک حریصِ ثمر ہو گیا

اب نہیں زندگی میں کئی مسئلہ
مال دولت جو زادِ سفر ہو گیا

حاضری سب نے دی حاکمِ وقت کو
میں بھی دے کہ زماں سے نڈر ہو گیا

بدنصیبی، بڑوں کو بُرا کہہ رہا
جن کی سُنتا رہا، دربدر ہو گیا

وہ تو کہتے تھے تعمیر کر لے خودی
خود شناسی سے بھی بے بہر ہو گیا

ہوں گے میزان پر سب کے نامہ عمل
تھا یقیں جو کبھی اب تو ڈر ہو گیا

ایک گُتھی تھی مغرب میں مستُور کا
بدن عُریاں کہ سینہ سَپر ہو گیا

فکرِ انساں پہ قدغن جو ممکن نہیں
یہ ہمالہ بھی اب مجھ سے سَر ہو گیا

اَب مری پُشت پر آہنی ہاتھ ہیں
جان لو اب کہ میں مقتدر ہو گیا

میرے پیشے کو ہیروں سے تولا گیا
عادلوں کا میں چشمِ نظر ہو گیا

میری تقریر کی چاشنی کیا کہوں
سب دلوں میں مرا آج گھر ہو گیا

خُو عجب تھی مری جب تلک حق پہ تھا
اب حقیقت میں میں دیدہ ور ہو گیا

خود فریبی قیادت کی بنیاد ہے
چاہے کہہ لو منافق، میں سَر ہو گیا

جھوٹ دھوکا ہے یہ سب نے جانا مگر
سچ بھی جھوٹوں کا ہی اب ہنر ہو گیا

عاجزی ، انکساری کی کس کو پڑی
اب مرا فلسفہ مختصر ہو گیا

جو امامت پہ اُمت کی مامور تھا
آج قرآں مرا منتظر ہو گیا

سُرعتِ برق سا سیکھتا ہوں میں سب
راہِ دُنیا سے میں بہرہ ور ہو گیا

جا تو رنگِ جہاں سعد کو بھی سکھا
دعوتِ حق میں وہ دربدر ہو گیا